ڈاکٹر شاہد محمود کاشمیری

تحریک آزادی کا گمنام شاعر خواجہ عبدالرحیم عاجز

خواجہ عبدالرحیم عاجز امر تسری (۱۸۹۷ء تا ۱۹۵۳ء) شمع آزادی کے بے لوث پروانے، جاں نثار اور بہترین اردو، پنجابی شاعر تھے۔ ان کی عوامی شاعری کو آزادی کی تحریکوں میں نمایاں حصہ لینے والے رہنماؤں نے پسند فرمایا اور کئی عظیم دانش وروں نے مختلف جلسوں میں انہیں دل کھول کر داد دی۔

لبنی آزادی پسندی، انقلابی نظریات اور انگریز دشمنی کی بنا پر انہیں بارہا جیل جانا پڑا۔ قید و بند کی صعوبتوں نے خواجہ صاحب کی شخصیت میں مزید نکھار پیدا کیا۔ چنانچہ یہ شاعر تحریک آزادی کا ایک زرّیں باب رقم کر گیا۔

عاجز کے والد خواجہ عبدالرحمان امر تسر میں پشمینے کا کاروبار کرتے تھے۔ وہ کشمیر سے آ کر امر تسر میں آباد ہوئے تھے۔ امر تسر کے محلہ کٹڑہ مہاں سنگھ میں عبدالرحیم ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے (۱) جب بلوغت کی عمر کو پہنچے تو ۱۹۱۷ء میں انہوں نے والد کا کاروبار سنبھالا۔ ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ کے سانحہ کے بعد خواجہ عبدالرحیم نے مولانا سید محمد داؤد غزنوی کی ایک تقریر سے متاثر ہو کر سیاسی میدان میں قدم رکھا۔ (۲) وہ ابتدائی دنوں میں جلسوں میں مولانا ظفر علی خان اور محمد اسماعیل مشتاق کی نظمیں پڑھا کرتے تھے۔ بعد میں بابو کرم امر تسری سے پنجابی شاعری میں اصلاح لینا شروع کی۔ (۳)

خواجہ عبدالرحیم عاجز..... آزادی کے مجاہد نکھاری تھے۔ انہوں نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مجلس احرار کے دوسرے رہنماؤں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی سیاسی، اقتصادی، سماجی اور مذہبی آزادی کے لیے جدوجہد کی۔

"چالیس برس پہلے عاجز اپنی جوانی میں ہی سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی آواز پر دیوانہ وار گھر بار چھوڑ کر سیاست کی وادیٔ پر خار میں کود پڑے تھے اور اس کے بعد جو قدم اٹھ گیا وہ کبھی واپس نہ ہوا اور پچیس برس تک وہ سیاست کے سرد و گرم کے تھپیڑے کھاتے رہے لیکن میدان عشق سے ہٹنے کا خیال بھی دل میں نہ آیا۔" (۴)

خواجہ عبدالرحیم عاجز نے ایک مخلص کارکن اور عوامی انقلابی شاعر کی حیثیت سے اپنی مجاہدانہ صلاحیتوں کا بھر پور اظہار کیا۔ اس کے لیے انہیں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ برطانوی سامراج اور رولٹ ایکٹ کے خلاف تحریک میں ۱۹۲۱ء کے قریب انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ انہیں دو برس جیل میں گزارنا پڑے۔ چنانچہ انہوں نے اردو اور خاص طور پر پنجابی شاعری کے ذریعے لوگوں میں غلامی کا طوق اتار پھینکنے کا جذبہ بیدار کیا۔ عاجز نے جیلوں میں ہونے والے ظلم اور لوگوں پر پولیس اور انگریزوں کے ظلم و تشدد کے خلاف بھر پور احتجاج کیا اور مسلمانوں کو درس آزادی دیا۔ انہوں نے سیاسی جلسوں میں اپنے لحن اور شعلہ بیانی کے ذریعے انگریز راج کے خلاف ایک فضا قائم کرنے میں مدد دی۔ وہ عوامی زبان میں عوام کے مسائل بیان کرتے اور ان میں آزادی کا جذبہ اور ولولہ بیدار کرتے، انہیں خواب غفلت سے جگانے کے لیے عاجز نے رجزیہ انداز اختیار کیا۔ اپنے ترنم اور عوامی آواز کی ترجمانی کرتے ہوئے لوگوں میں انگریز دشمنی، مسلمانوں کے اندر عیش و عشرت کی زندگی ترک کرنے، بُری رسموں

کو چھوڑنے اور دوسری سماجی برائیوں کے خاتمے کی ضرورت پر زور دیا۔ انہیں سیاسی و سماجی مسائل کا شعور تھا۔ تحریک خلافت، مسئلہ کشمیر اور قادیانی فتنے کے سلسلے میں ان کی نظمیں ایک "تاریخی حوالہ" مانی جاتی ہیں۔

"وہ سچے محب وطن اور پیارے رفیق کار تھے بدیشی حکومت کو ملک سے بے دخل کرنے میں ان کا نمایاں حصہ ہے۔ جو شاہراہ آزادی پر ہمیشہ زرنگار اور جواہر نگار رہے گا۔ آپ پنجابی کے پر سوز شاعر تھے۔ آپ کی شاعری دلاویز تھی۔ سوزو گداز کے علاوہ اس میں رنگینی اور لوچ تھا۔ وہ چند لمحات میں عوام کو مسخر کر لیتے تھے اور ان کے اندر قربانی کی بے پناہ روح پھونک دیتے تھے۔۔۔"(۵)

خواجہ عبدالرحیم عاجز کی نظموں میں جو آزادی پسندی نظر آتی ہے اس پر اسلامی رنگ غالب ہے۔ اپنی ایک اردو نظم میں فرماتے ہیں۔ (٦)

ہم جیل کو اے عاجز گھر اپنا بنا لیں گے
جب تک نہ خلافت کو غیروں سے چھڑا لیں گے
کفار کا قبضہ ہو اللہ کے گھر پر کیوں
ہم جان لڑا دیں گے پر اس کو چھڑا لیں گے

سائمن کمشن کے حوالے سے عاجز کا ردِ عمل ان کی سیاسی بصیرت کی عکاسی کرتا ہے۔ (۷)

شطرنج کی بازی ہے یہ سائمن کا سفر بھی
ہے چال بگڑنے کا انہیں بات کا ڈر بھی

خواجہ عبدالرحیم عاجز آزادی کے سلسلے میں مسلمانوں کو دعوت عمل دیتے ہیں۔ (۸)

اٹھ مسلماناں توں کر آزاد ہندوستان نوں
ایس غلامی توں چھڑا ملے حضرت انسان نوں

یہ موضوع ان کی نظموں میں تواتر سے آیا ہے اور ان کی شہرہ آفاق نظم "نت دی غلامی کولوں جیل چنگی پیا ریا" ہے یہ وہ نظم ہے جس پر خواجہ عبدالرحیم کو ایک سال کی سزا ہوئی۔ اس نظم میں وہ صبح سویرے کو توالی میں جا کر حاضری دینے والے سپاہی کو احساس دلاتے ہیں کہ تم غیروں کے آگے جھکتے ہو اور تمہیں خدا یاد نہیں۔ بہتر ہے کہ سدا کی غلامی کا طوق اتار پھینکو چاہے اس کے لیے تمہیں جیل ہی کیوں نہ جانا پڑے۔

اٹھ فجرے توں وردی پاویں
پا وردی کوتوالی جاویں
غیراں اگے سیس نواویں
مولیٰ کیوں وساریا
نت دی غلامی توں جیل چنگی پیاریا (۹)

خواجہ عبدالرحیم عاجز کی شاعری میں ایک پیغام ایک جذبہ اور دعوت عمل ہے۔ وہ خاص طور پر نوجوان نسل کو آزادیِ وطن کی جدوجہد میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔

آجاؤ ملک دی خدمت کرن نوں یارو نس نس کے
ڈبدی ملک دی کڈھ لو کشتی کمراں کس کس کے

ان کی شاعری میں وطن پرستی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے ۱۹۳۰ء میں ہوشیار پور کے ایک مشاعرے میں انہوں نے۔ اپنی نظم "پیارا وطن" پڑھ کر لوگوں کے دل موہ لیے:

کمخواب تے بدل دے عملاں نوں
وار سٹاں میں سُوتر دی نلی اتوں
میں تاں ستاں ولائتاں نوں کراں صدقے
اپنے وطن دی نکی جئی گلی اتوں

میرا وطن کیہ سونے دی کان اے تاں
اس نوں لٹیا کنیاں بیار کر کے
آیا ایہدی فیاضی وچ فرق ناہیں
لے گئے جھولیاں کئی مکار بھر کے

سارا یورپ نہ لواں بتادلے وچ
اس دے چلے دی لکڑی بلی اتوں

۱۹۳۰ء میں ڈوگرہ راج کے خلاف تحریک میں پنجاب کے مسلمانوں نے کشمیری مسلمانوں سے ملی رشتہ استوار کرتے ہوئے کشمیری مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے ظلم پر بھرپور انداز میں احتجاج کیا۔ خواجہ عبدالرحیم عاجز نے اپنی شعری صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے کشمیر کے مظلوم عوام سے یک جہتی کا اظہار کیا۔

اپنی کتاب " کشمیریاں دی چٹھی خدا دے نام "میں (جس میں) دو نظمیں شامل ہیں۔ ایک کشمیر کے حوالے سے اور دوسری مسلمانوں کی حالت زار اور مجموعی طور پر انہیں بری رسمیں چھوڑ دینے اور اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کی دعوت حق دی گئی ہے۔

خواجہ صاحب کی کشمیر کے حوالے سے لکھی گئی نظم موجودہ حالات پر بھی صادق ہے۔ (۱۲)

چٹھی نام خدا دے لے جا شاہ سوارا
آکھیں کشمیر اندر چلیا خونی فوارہ

ریاست کشمیر میں مسلمان اکثریت کا حق خود ارادیت کا نعرہ کشمیر تحریک بن گیا جس میں ہزاروں فرزندان توحید شامل تھے۔ خواجہ صاحب ۱۹۳۱ء میں جیل سے رہا ہو کر آئے تو پنجاب کے مسلمان کشمیری بھائیوں کے ہم آواز تھے۔

اٹھ مسلمان کشمیر نوں جائیے
دکھیا بھیا دا درد ونڈائیے (۱۳)

خواجہ صاحب کی شاعری میں کشمیر کے ساتھ ساتھ فلسطین کے مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کا بھی ذکر ملتا ہے۔ وہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی آزادی کے خواہاں نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اس وقت کے حالات اور سیاسی سوچ کو بھی اپنی نظموں کا موضوع بنایا۔ سیاسی شاعری کی جو روایت مولانا ظفر علی خان نے اردو میں اور استاد ہمدم اور استاد بابو کرم نے پنجابی میں شروع کی تھی، خواجہ عبدالرحیم عاجز نے اس روایت کو چار چاند لگائے۔ جدید عہد میں استاد دامن نے پنجابی میں حبیب جالب نے اردو میں اس روایت کو آگے بڑھایا بعض نقاد اسے لمحاتی شاعری کہتے ہیں۔ جو جلسے گرمانے اور سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔ لیکن شاعری کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے والوں کے نزدیک ایسی تنقید بے اثر ہوتی ہے۔ ان ہنگامی نظموں کی اصل طاقت اس وقت دیکھنے والی ہوتی ہے جب ناموافق حالات میں یہ ہزاروں کے اجتماع میں پڑھی جاتی ہیں اور عوامی لہر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔

خواجہ عبدالرحیم عاجز کی کئی نظمیں اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہیں۔
مثلاً عاجز صاحب کی پہلی نظم جو تحریک خلافت میں خاصی مشہور ہوئی۔

مایو، بیبیو، بھنو
ہٹ جاؤ مال ولائتی لینو

یا پھر جلیانوالہ باغ میں پڑھی گئی نظم جس میں ہندو مسلم فسادات سے مکدر ہونے والی فضا کو نارمل کرنے کی تلقین تھی۔ یہ نظم امان بی نے ذاتی خرچ پر شائع کروا کے پورے پنجاب میں تقسیم کروائی۔ (۱۴)

اسی طرح وہ تاریخی نظم بھی حوالے کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے جو آریہ سماج کے تحت شائع ہونے والے ایک اخبار "ملنگ" میں ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی تھی۔

مولانا ظفر علی خان نے عاجز سے ان اشعار کا جواب پنجابی ہی میں لکھنے کی فرمائش کی۔ (۱۵)

ہندو قوم دے لال تے بیر بانکے اور نگ زیب نوں چنے چباون والے
اپنے دھرم ایمان دی رکھیا لئی سوہنی تیغ دا جوہر دکھان والے
سر توڑ کے ظالم مسلیاں دا سکہ اپنے رعب دا پاون والے
شدھی سنگھٹن دی لے تلوار ہتھ وچ ہستی ظلم دی ایتھوں مٹاون والے

عاجز نے مولانا ظفر علی خان کی صدارت میں دہلی دروازہ کے باہر جلسے میں اس کے جواب میں یہ نظم پیش کی۔ (۱۶)

تسی کتھوں جم پئے گھر ہندوواں دے اورنگ زیب نوں چنے چبھاون والے

کس دن ہوئے سو ذرا سمجھاؤ تے سہی جوہر تیغ دے تسی دکھاون والے

تسی جو کجھ ہو تہانوں اسی جاننے ہاں لوکاں تائیں نیں راز سنان والے

خوشی نال اسلام دے خادماں لئی دھیان تائیں وچ ڈولیاں پان والے

اج توں نہیں دنیا جد توں ہوئی پیدا دے مڈھ توں جتیاں کھان والے

یہ "جواب آں نظم" عاجز کی حاضر جوابی کا جہاں منہ بولتا ثبوت ہے۔ وہاں اس بات کی بھی غمازی کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں پر لگائے جانے والے الزامات کا منہ توڑ جواب دینا جانتے تھے۔

عاجز کی نظم "شان پیسہ" میں وہ مسلمانوں کے اندر پائی جانے والی بری عادات کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ وہ ایک مثالی قوم کے طور پر دنیا میں اپنا مقام پیدا کر سکیں۔ اس نظم میں وہ ایک ناصح کے طور پر مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ پیسے کے پجاری بننے کی بجائے پیسے کی اہمیت اور شان کو سمجھیں تاکہ زندگی میں کسی مقام پر انہیں پچھتانا نہ پڑے۔ خواجہ صاحب نے اپنے مختلف اشعار کے ذریعے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ مفلسی کے طوق کو اتار پھینکیں اسی لیے کہ ایک طرف یہ زمانے کی نظر میں دانش مندی نہیں دوسری طرف مسلمانوں کی ترقی میں حائل یہ بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ دولت کے حصول کے ساتھ ساتھ ہر دم خوف خدا بھی ہونا چاہیے۔ اور اس دولت کو بیواؤں یتیموں اور مساکین پر خرچ کیا جانا چاہیے۔

دولت مند بن کے خدمت گار بنو

تسی غازی، مجاہد احرار بنو

نہ فرعون دے وانگ غدار بنو

اساں تہانوں ایہو سمجھاؤنا (۱۷)

کتاب "نام کا مسلمان" میں خواجہ عبدالرحیم عاجز نے "مسلمانوں کی حالت زار" کے اردو عنوان سے پنجابی نظم تحریر کی ہے اس نظم میں مولانا حالی کی "مسدس" کی بازگشت ملتی ہے اور مسلمانوں کو ایک مضبوط و مستحکم قوم کی حیثیت سے دیکھنے کا خواب، جابجا نظر آتا ہے۔

ساہنوں بھل گیا رب رسول

چھڈے دین دے تائیوں اصول

اجڑیاں مسجداں تکیے آباد

آپس وچ علماء افساد

کیوں نہ ہووے قوم برباد (۱۸)

خواجہ عبدالرحیم عاجز نے اپنی کتاب "خادم دین" میں مسلمانوں کے درمیان تفرقہ پھیلانے والوں کا خوب محاسبہ کیا ہے۔ قادیانی فتنے کے بارے میں ان کا موقف بڑا واضح تھا۔ ان کی سوچ یہ تھی کہ مسلمانوں میں اس فتنے کو کاشت کرنے والی برٹش سرکار تھی۔

خود کاشتہ ہے پودا ایہہ برٹش سرکار دا
ہے کتا بھی چنگا ساہنوں مدنی دربار دا (۱۹)

خواجہ صاحب کا بیشتر کلام بکھرا پڑا ہے اور ان کی اہم نظموں کا ذکر مختلف مضمون نگاروں اور تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔

حافظ عبدالرشید ارشد نے اپنے ایک مضمون میں عاجز کی دو نظموں کا حوالہ دیا ہے۔ آزادی کے حوالے سے لکھی گئی یہ نظم ۱۹۳۷ء میں ضلع جالندھر میں مختم پور کے ایک جلسے میں پڑھی گئی جس کا پہلا شعر یوں تھا۔ (۲۰)

راتیں ستیاں پیاں مینوں اک خواب آ گیا
گئے بدیشی ایتھوں ایتھے انقلاب آ گیا

مضمون میں دوسری نظم جس کا حوالہ دیا گیا ہے اس کے دو شعر درج ہیں۔ (۲۱)

اوہ مسلماناں کدھر گئی اج مسلمانی تری
دین لئی ہوندی وقف سی کدی زندگانی تری
لے گئی سی روہڑ کے پربت کفر دے بے شمار
آئی سی جد عرب ولوں چڑھ کے طغیانی تری

آخری دنوں میں وہ معاشی طور پر انتہائی بدحالی کی زندگی گزارتے رہے۔ مگر اس غم کو زبان پر نہ لاتے اور دکھ کو اندر ہی اندر برداشت کرتے رہے آخر کار یکم مئی ۱۹۵۳ء کو خواجہ عبدالرحیم عاجز اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ (۲۲)

ماخذ

۱۔ مولانا بخش کشتہ، پنجابی شاعراں دا تذکرہ، ص ۴۰۷
۲۔ جانباز مرزا، تبصرہ، ماہنامہ، جلد نمبر ۱، شمارہ ۷، ۱۹۶۰ء ص ۱۹ (۳)۔ ایضاً
۴۔ عبداللہ ملک، مضمون (تبصرہ ماہنامہ) ص ۶ (۵)۔ مصطفیٰ قیصر مضمون (تبصرہ ماہنامہ) ص ۱۲
۶۔ جانباز مرزا، مضمون (تبصرہ ماہنامہ) ص ۱۵ (۷)۔ ایضاً ص ۱۶
۸۔ عبدالرحیم، عاجز، خواجہ، "نام کا مسلمان" کوچہ رنگریزاں امرتسر س ن ص ۴